



مدارس دینیہ: پس منظر، مقاصد اور خدمات

حکومت اور منتظمین مدارس کی خدمت میں!

برصغیر پاک و ہند میں ہمارے دینی مدارس نہ صرف مسلمانوں کی پرانی تہذیب کا تسلسل اور روایتی نظام تعلیم کی یادگار ہیں بلکہ انبیاء کرام کے مشن عظیم کی بقاء اور ان کے علمی ورثہ کے احیاء کی علامت بھی ہیں۔ اگرچہ زمانہ کی دست بد سے، درس نظامی میں شامل عصری تقاضوں کی تکمیل کے خاطر، دنیاوی علوم تو جاری نہ رہ سکے یا منطق و فلسفہ جیسے انسانی سوچ کے حامل علوم دینی مدارس میں اپنے ارتقاء کو باقی نہ رکھ سکے تاہم کیا دینی مدارس کے یہ صرف دو پہلو ہی غنیمت نہیں کہ انبیاء کرام کے مشن کے حامل افراد تیار ہوتے رہیں اور مسلمان اپنے ماضی سے بھی جڑے رہیں۔ اگر اب درس نظامی میں شامل قدیم دنیاوی علوم کا غطاء تسلیم بھی کر لیا جائے پھر بھی ایک شعبہ تخصص دینی کے اعتبار سے ان کی اہمیت و افادیت سے انکار ممکن نہیں۔

محترم مقالہ نگار نے دینی مدارس کی اسی افادیت کے پیش نظر ان کے نصاب و نظام میں کسی بنیادی تبدیلی کی مخالفت کی ہے اور ان میں اہل اقتدار کی مداخلت کو خطرناک قرار دیا ہے۔ ہم آئندہ شمارہ میں موصوف کا دوسرا مضمون بھی شامل اشاعت کر رہے ہیں جو دینی مدارس کے خلاف بہت سے ایسے شبہات کا جواب ہو گا۔ (ان شاء اللہ)

سوویت یونین کے بکھر جانے اور روس کے بحیثیت سپر طاقت، زوال کے بعد، امریکہ پریم طاقت بن گیا ہے۔ جس سے اس کی رعونت میں اضافہ اور پوری دنیا کو اپنی ماتحتی میں کرنے کا جذبہ مزید توانا، بالخصوص عالم اسلام میں اپنے اثر و نفوذ اور اپنی تہذیب و تمدن کے پھیلانے میں خوب سرگرم ہو گیا ہے۔ نیو ورلڈ آرڈر (نیا عالمی نظام) اس کے اسی جذبے کا مظہر اور عکاس ہے۔

امریکہ کے دانشور جانتے اور سمجھتے ہیں کہ ان کی حیا باخته تہذیب کے مقابلے میں اسلامی تہذیب، اپنے حیاء و عفت کے پاکیزہ تصورات کے اعتبار سے بدرجہا بہتر اور فائق ہے۔ اس لئے یہ اسلامی تہذیب ہی اس کے نئے عالمی نظام اور اس کی عالمی چودھراہٹ کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے، اسے ختم یا کمزور کئے بغیر وہ اپنا مقصد اور عالمی قیادت حاصل نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اس نے اسلامی تہذیب و تمدن کو ختم کرنے کے لئے اپنی سرگرمیاں تیز کر دی ہیں۔ یہ مذہم کوششیں، ویسے تو ایک عرصے سے جاری ہیں اور مختلف جہتوں اور محاذوں سے یہ کام ہو رہا ہے۔

بعض محاذوں پر اس کی پیش قدمی نہایت کامیابی سے جاری ہے۔ مثلاً حقوق نسواں کے عنوان سے، مسلمان عورتوں میں اپنے مذہب سے نفرت و بیگانگی اور بے حیائی و بے پردگی کی اشاعت، جس میں وہ بہت کامیاب ہے۔ چنانچہ سعودی معاشرے کے علاوہ بیشتر اسلامی ملکوں کی مسلمان عورتوں کو اس نے اسلامی تعلیمات کے بالکل برعکس پردے کی پابندی سے آزاد اور حیاء و عفت کے اسلامی تصورات سے بے نیاز کر دیا ہے۔

مخلوط تعلیم، مخلوط سروس اور مخلوط معاشرت کا فتنہ اور مساوات مرد و زن کا مغربی نظریہ ایسا ہے جو ہر اسلامی ملک میں اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہا ہے۔ گویا اس محاذ پر بھی مغرب کی سازشیں اپنا رنگ دکھا رہی ہیں۔

نرسری سے لے کر کالج اور یونیورسٹیوں کی سطح تک، نصاب تعلیم میں لارڈ میکالے کی وہ روح کار فرما ہے جو اس انگریزی نظام تعلیم کا موجد تھا اور جس نے کہا تھا کہ ”اس سے ایسا طبقہ پیدا ہو گا جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی، مگر خیالات اور تمدن میں انگریز ہو گا“

یہ بات اس نے ۱۸۳۴ء میں کہی تھی جب متحدہ ہندوستان، انگریزوں کے زیر نگین تھا، لیکن آزادی کے بعد بھی چونکہ یہی نصاب تعلیم بدستور جاری ہے۔ اس لئے خیالات اور تمدن میں انگریز بننے کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ انگریزی زبان کے تسلط اور برتری سے بھی وہ اپنے مذکورہ مقاصد حاصل کر رہا ہے اور ہم نے اس کی زبان کو بھی سینے سے لگا رکھا ہے اور یوں اس کے استعماری عزائم اور اسلام دشمن بلکہ اسلام کش منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں اس کے دست و بازو بنے ہوئے ہیں۔

اقتصاد و معیشت میں بھی ہم نے اس کی پیروی اختیار کر رکھی ہے اور سودی نظام کو، جو لاکھوں کے لئے مرگِ مفاجات کا حکم رکھتا ہے، ہم نے اسے مکمل تحفظ دے رکھا ہے اور اسے ہر

شعبے میں بری طرح مسلط کیا ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے اقتصادی ناہمواری عروج پر ہے۔ امیر، امیرِ تر اور غریب، غریب تر بنتا جا رہا ہے، نو دہائیوں کا ایک ایسا طبقہ الگ معرضِ وجود میں آچکا ہے جو پوری طرح مغربیت کے سانچے میں ڈھل چکا ہے، اس کا رہن سہن، بود و باش، طور اطوار، حتیٰ کہ لہجہ و زبان تک سب کچھ مغربی ہے، وہ اسی مغربی تہذیب کا والہ و شید اور پرستار ہے اور اس کے شب و روز کے معمولات مغربی معاشرے کے عین مطابق ہیں۔

سیاست و نظم حکومت میں بھی ہم نے جمہوریت کو اپنایا ہوا ہے، جو مغرب ہی کا تحفہ ہے۔ یہ پودا مغرب میں ہی پروان چڑھا، وہاں کی آب و ہوا، شاید اسے راس ہو۔ لیکن اسلامی ملکوں کے لئے جمہوریت، اسلام سے محروم کرنے کی ایک بہت بڑی سازش ہے جس کے دام ہم رنگ زمین میں پیشتر اسلامی ملک پھنس چکے ہیں۔ کچھ تو اس کی ”برکت“ سے اسلامی اقدار و روایات سے بالکل بیگانہ ہو چکے ہیں، جیسے ترکی ہے۔ کچھ سخت جان ہیں تو وہاں اسلامی اقدار اور مغربی اقدار میں سخت کشمکش برپا ہے۔ برسرِ اقدار حکمران مغربی تہذیب و تمدن کو مسلط کرنے پر تلے ہوئے ہیں، جب کہ اسلامی تہذیب سے محبت کرنے والا ایک گروہ اس کے خلاف مزاحمت کر رہا ہے۔ تاہم عوام کی بہت بڑی اکثریت، پیشتر اسلامی ملکوں میں، دینی جذبہ و احساس اور شعور سے محروم ہونے کی وجہ سے ”الناس علیٰ دین ملوکہم“ کے تحت مغرب کی حیا باخستہ تہذیب ہی کو اپنارہی ہے۔

ہماری صحافت، بالخصوص روزنامے، مغربی ملکوں کے روزناموں سے بھی زیادہ بے حیائی پھیلانے میں مصروف ہیں۔ یہ چند ملکوں کی خاطر مسلمان عورت کو روزانہ عریاں اور نیم عریاں کر کے پیش کرتے ہیں تاکہ عوام کی ہوس پرستی اور جنسی اشتہاء کی تسکین کر کے ان کی جیبوں سے پیسے بھی کھینچے جائیں اور انہیں دولتِ ایمان سے بھی محروم کر دیں۔ ان غارت گردانِ دین و ایمان کو اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ ان مہ و شوں، سمیں غلوں اور رہزنانِ حکمین و ہوش کی رنگیں اور شہوت انگیز تصویروں سے عوام کے اخلاق و کردار کس بُری طرح بگڑ رہے ہیں، بے حیائی اور بے پردگی کو کس طرح فروغ مل رہا ہے اور فحاشی کا سیلاب کس طرح ہر گھر کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے۔ انہیں صرف اپنی کمائی سے غرض ہے، اس کے علاوہ ہر چیز سے انہوں نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ ان مایوس کن، ایمان شکن اور روح فرسا حالات میں صرف دینی تعلیم و تربیت کے وہ ادارے اور مراکز ہی امید کی ایک کرن ہیں جنہیں مدارسِ دینیہ اور مراکزِ اسلامیہ کہا جاتا ہے۔ جہاں محروم طبقات کے بچے یا دینی جذبات سے بہرہ ور لوگوں کے نوجوان، دین کے علوم حاصل

کر کے مسلمان عوام کی دینی رہنمائی بھی کرتے ہیں اور ان کی دینی ضروریات کا سرو سامان بھی۔ ان کی وجہ سے ہی تمام مذکورہ شیطانی کوششوں کے باوجود اسلامی اقدار و روایات ایک طبقے کے اندر موجود ہیں۔ معاشرے کے اندر اسلامی تشخص کسی نہ کسی انداز سے زندہ ہے اور اسلامی عبادات و شعائر کا احترام لوگوں کے دلوں میں ہے۔ اس لحاظ سے یہ دینی مدارس اپنی تمام تر کوتاہیوں، محرومیوں اور کس پھرتی کے باوجود، جیسے کچھ بھی ہیں، اسلام کے قلعے اور اس کی پناہ گاہیں ہیں، دینی علوم کے سرچشمے ہیں، جن سے طالبانِ دین کسبِ فیض کرتے اور مشائخِ علم سیراب ہوتے ہیں اور دین کی وہ مشعلیں ہیں جن سے کفر و ضلالت کی تاریکیوں میں، ہدایت کی روشنی پھیل رہی ہے اور اس کی کرنیں ایک عالم کو منور کر رہی ہیں۔

ان کی یہ خوبی ہی دشمن کی آنکھ میں کانٹا بن کر کھٹک رہی ہے۔ اسلام دشمن استعماری طاقتیں، جنہوں نے عالمِ اسلام کو مذکورہ حسین جالوں میں پھنسا رکھا ہے اور جو اسے اسلام کی باقیات سے بالکل محروم کر دینا چاہتی ہیں۔ اب ان کا ہدف اسلامی تنظیمیں اور دینی مدرسے ہیں۔ اسلامی جماعتوں کو وہ بنیاد پرست اور دہشت گرد قرار دلو کر انہیں ملکی سیاست سے باہر نکالنا چاہتی ہیں تاکہ انتخابات کے مرحلے میں بھی اسلام کا نام لینا جرم بن جائے۔

مسلمان سربراہوں کی حالیہ کانفرنس سے جو کاسابلانکا میں ہوئی، بے نظیر بھٹو اس قسم کی ایک قرار داد پاس کروانے میں کامیاب بھی ہو گئی ہیں اور اس کے بعد اب یہ استعماری طاقتیں عالمِ اسلام میں برسرِ اقدار اپنی پٹھو حکومتوں کے ذریعے سے دینی مدرسوں کو بھی ان کے اصل کردار سے محروم کرنا چاہتی ہیں۔ چنانچہ مغرب کی آلہ کار حکومتیں اپنے مغربی آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے اب اس محاذ پر سرگرم ہو گئی ہیں اور دینی مدارس کے خلاف بیان بازی کے بعد، فرقہ واریت کی آڑ میں ان میں مداخلت کے لئے پرتوئل رہی ہیں تاکہ انہیں ان کے اس تاریخی کردار سے محروم کر دیا جائے جو وہ ڈیڑھ دو صدی سے انجام دے رہے ہیں اور یہاں سے بھی اسلام کے داعی و مبلغ، مفسر و محدث اور مفتی و فقیہ پیدا ہونے کی بجائے وہی مخلوق پیدا ہو جو کالج اور یونیورسٹیوں میں پیدا ہو رہی ہے۔ جس نے معاشرے سے اس کا امن و سکون چھین لیا۔ جو میڈونا اور مائیکل جیکسن کی پرستار ہے اور اسلامی اقدار و روایات کے مقابلے میں مغربی اقدار و روایات کی شید اور اس کی تہذیبِ مذمومہ ہے۔

مدارسِ دینیہ، پس منظر اور مقاصد و خدمات

یہ مدارس دینیہ عربیہ، جن میں قرآن و حدیث اور ان سے متعلقہ علوم کی تعلیم دی جاتی ہے، صدیوں سے اپنے ایک مخصوص نظام و مقصد کے تحت آزادانہ دین کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ ان مدارس دینیہ کے پس منظر، غرض و غایت اور ان کی عظیم دینی خدمات سے ناواقف لوگ، ان کے متعلق مختلف قسم کی باتیں بتاتے رہتے ہیں۔ کبھی ان مدارس کو بے مصرف اور ان میں پڑھنے پڑھانے والے طلباء و علما کو ”یادگارِ زمانہ“ کہا جاتا ہے، کوئی انہیں ملائے کتب اور ابلہ مسجد قرار دیتا جو ان کی نظر میں زمانے کی ضروریات اور تقاضوں سے ناآشنائے محض ہیں اور کوئی ”اصلاح“ کے خوش نما عنوان سے اور ”خیر خواہی“ کے دل فریب پردے میں باز (شکرے) کے روایتی قصے کی طرح انہیں ان کی تمام خصوصیات سے محروم کر دیتا جاتے ہیں۔

اب ایک مخصوص گروہ کو سامنے رکھتے ہوئے، جن کا کوئی تعلق دینی مدارس سے نہیں ہے، انہیں ”دہشت گرد“ بھی باور کرایا جا رہا ہے۔ غرض یہ مدارس اور ان میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء ”جتنے منہ، اتنی باتیں“ کے مصداق ہر کہ و مہ کی تنقید کا نشانہ اور اربابِ دنیا کے طعن و تشنیع کا ہدف ہیں بلکہ اب بین الاقوامی استعمار کی خاص ”نگاہِ کرم“ بھی ان پر مبذول ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ مدارس، اپنے مخصوص پس منظر اور خدمات کے لحاظ سے اسلامی معاشرے کا ایک ایسا اہم حصہ ہے جس کی تاریخ اور خدمات سہرے الفاظ میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔ ان میں پڑھنے پڑھانے والے نفوسِ قدسیہ نے ہر دور میں باوجود بے سروسامانی کے دین اسلام کی حفاظت و صیانت کا قابلِ قدر فریضہ انجام دیا ہے۔ ان مدارس کے قیام کا پس منظر یہی تھا کہ جب حکومتوں نے اسلام کی نشر و اشاعت میں دلچسپی لینا بند کر دی اور اسلامی تعلیم و تربیت میں مجرمانہ تخالف برتا تو علمائے اسلام نے اربابِ حکومت اور اصحابِ اختیار کی اس کوتاہی کی تلافی یوں کی کہ دینی تعلیم و تربیت کے ادارے قائم کئے جو عوام کے رضا کارانہ عطیات اور صدقات و خیرات سے چلتے تھے۔ یہ دینی ادارے بالعموم سرکاری سرپرستی سے محروم ہی رہے ہیں اور اسی میں ان کے تحفظ و بقا کا راز مضمر ہے۔ بالخصوص برطانوی ہند میں، جب کہ انگریزوں نے لارڈ میکالے کے نظریئے تعلیم کے مطابق انگریزی تعلیم کو رواج دیا اور مسلمان عوام ملازمت اور دیگر مناصب و مراعات کے لالچ میں کالج اور یونیورسٹیوں کی طرف دیوانہ وار لپکے اور دینی تعلیم اور دینی اقدار سے بے اعتنائی و بیگانگی برتنے لگے تو علماء اور اصحابِ دین نے اس دور میں متحدہ ہندوستان کے قریہ قریہ اور گاؤں گاؤں دینی مدارس کا جال پھیلادیا۔

انگریزوں نے اپنے مخصوص مقاصد کے لئے جس انگریزی نظام تعلیم کو نافذ کیا تھا، اس کے دو بڑے مقصد تھے۔ ایک: دفتروں کے لئے، کلرک اور بابو پیدا کرنا، دوسرا: مسلمان کو اس کے دین اور اس کے شعائر سے بیگانہ کر دینا۔ بد قسمتی سے دورِ غلامی کا یہ مخصوص نظام تعلیم اپنے مخصوص مقاصد سمیت تاحال قائم ہے۔ اسی لئے دینی مدارس کی ضرورت بھی محتاج وضاحت نہیں۔ بنا بریں علماء جب سے اب تک ان مدارس کے ذریعے سے دین کی نشرو اشاعت اور دینی اقدار و شعائر کی حفاظت کا فریضہ ناساعد احوال اور انتہائی بے سروسامانی کے باوجود سرانجام دے رہے ہیں۔

یہ انہی مدارس کا فیض ہے کہ ملک میں اللہ رسول کا چرچا ہے، حق و باطل کا امتیاز قائم ہے، دینی اقدار و شعائر کا احترام و تصور عوام میں موجود ہے اور عوام اسلام کے نام پر مرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔

دینی مدارس کے اس پس منظر، غرض و غایت اور خدمات سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان کے قیام کا مقصد، ڈاکٹر، وکیل، انجینئر، صنعت کار اور کلرک و بابو پیدا کرنا نہیں بلکہ علوم دینیہ کے خادم، دین اسلام کے مبلغ و داعی، قرآن کے مفسر، احادیث کے شارح اور دین متین کے علم بردار تیار کرنا ہے۔ ان کا نصابِ تعلیم اسی انداز کا ہے جن کو پرکھ کر وارثانِ منبر و محراب ہی پیدا ہوتے ہیں کیونکہ ان کا مقصد ایسے ہی رجالِ کار پیدا کرنا ہے نہ کہ دیگر شعبہ ہائے زندگی میں کھپ جانے والے افراد۔ اس لئے بنیادی طور پر ان کے نصابِ تعلیم میں تبدیلی یا ان کی آزادانہ حیثیت میں تغیر، دونوں چیزیں ان کے مقصدِ وجود کی نفی کے مترادف ہیں۔

نصابِ تعلیم میں بنیادی تبدیلی سے دینی مدارس سے فارغ ہونے والے طلباء نہ دین کے رہیں گے نہ دنیا کے۔ اگر کسی محدود سے مفاد کے ساتھ وہ دنیوی شعبے میں رکھنے کے لائق ہو بھی گئے تو بہر حال یہ تو واضح ہے کہ دینی علوم اور مذہبی تبلیغ سے ان کا رابطہ ختم ہو جائے گا، یا اگر رہے گا بھی تو اس انداز کا نہیں رہے گا جو اسلامی علوم کی نشرو اشاعت اور اس کی تبلیغ کے لئے مطلوب ہے۔ اس طرح ان مدارس سے دین کے وہ خدام تیار ہونے بند ہو جائیں گے جن کے ذریعے سے

قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں، ائمہ و خطباء، حفاظ و قراء اور مدرّسین و مؤلفین پیدا ہو رہے ہیں۔ جن سے مختلف دینی شعبوں کی تمام ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔

اگر نصابِ تعلیم کی تبدیلی سے یہی نتیجہ نکلا اور یقیناً یہی نکلے گا تو ظاہر بات ہے کہ مدارس

دینیہ کی مخصوص حیثیت ختم ہو جائے گی۔ اور وہ بھی عام دینی اداروں (اسکول، کالج، یونیورسٹی وغیرہ) کی طرح ہو جائیں گے، حالانکہ دینی تعلیم کے یہ ادارے پہلے ہی ہزاروں کی تعداد میں ہر چھوٹی بڑی جگہ پر موجود ہیں اور حکومت ان پر کروڑوں روپیہ خرچ کر رہی ہے۔ بنا بریں دینی مدارس کے نصاب میں بنیادی تبدیلی کے پیچھے خواہ کتنے ہی مخلصانہ جذبات اور خیر خواہانہ محرکات کار فرما ہوں۔ تاہم یہ جذبات و محرکات بالغ نظری کی بجائے سطحیت کا شاخصانہ ہیں اور اس سے دینی تعلیم اور دینی ضروریات کا سارا نظام تلپ ہو سکتا ہے اور مختلف عنوانات سے اس میں مداخلت کرنے والوں کا مقصد بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ لاقدرہ اللہ!

اسی طرح ان مدارس دینیہ کی آزادانہ حیثیت ختم کر کے ان کو سرکاری سرپرستی میں دے دینا سخت خطرناک ہو گا۔ حکومتیں بدلتی رہتی ہیں، بالخصوص آج کل جب کہ کسی حکومت کو قرار و ثبات نہیں۔ اور نظریاتی انتشار، فکری بے راہ روی اور مغربیت سے مرعوبیت عام ہے، ہو سکتا ہے ایک حکومت مخلص ہو اور وہ فی الواقع دینی مدارس کو اپنی سرپرستی میں لے کر دینی علوم کی زیادہ سے زیادہ نشر و اشاعت کرنا چاہتی ہو۔ لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ کل کلاں کو انتقالِ اقتدار کا مرحلہ آیا اور حکومت، کسی دین دار آدمی کی بجائے، کسی سیکولر، ابن الوقت اور لمحہ کے ہاتھ میں آگئی تو وہ ان مدارس کو اپنے مخصوص مقاصد کے لئے استعمال نہیں کرے گا یا ان کی دینی حیثیت کو تبدیل نہیں کرے گا۔ بنا بریں دینی اداروں کو سرکاری سرپرستی سے ہٹا کر رکھنا بھی ان کی دینی افادیت و حیثیت کو برقرار رکھنے کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ سرکاری سرپرستی کسی موقع پر ان کے لئے دستِ غیب کی بجائے دستِ اجل بھی ثابت ہو سکتی ہے، جس طرح ترکی میں مصطفیٰ کمال پاشا کے دور میں ہوا کہ دینی اداروں کا وجود بالکل ختم کر دیا گیا۔

اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ اس محاذ پر حکومت کا سرگرم اور فکر مند ہونا صحیح نہیں۔ ہم حکومت سے عرض کریں گے کہ وہ دینی مدارس کو ان کے حال پر چھوڑ دے۔ یہ ٹھیک ہے کہ دینی اداروں میں بہت سی چیزیں اصلاح طلب ہیں، اس سے انکار نہیں، لیکن حکومت اس شعبے کو کم از کم اپنے اصلاحی اقدامات سے خارج کر دے۔ زندگی کے اور دیگر تمام شعبے سخت اصلاح طلب ہیں، حکومت اپنی توجہ تمام تر اس طرح مبذول کرے۔ اگر دینی تعلیم کے اہتمام کا زیادہ ہی شوق ہے تو وہ اپنا یہ مقصد اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نصاب میں ضروری تبدیلی کر کے حاصل کر سکتی ہے اور حکومت کو یہ مقصد دینی تعلیم کے اداروں کی ہی اصلاح کر کے اور ان کے ذریعے ہی

حاصل کرنا چاہئے۔ کیونکہ دینی ادارے، گو کتنے ہی اصلاح طلب ہوں، تاہم وہ ملک میں اخلاقی انارکی، فکری بے راہ روی اور نظریاتی انتشار نہیں پھیلا رہے، جب کہ اسکول و کالج وغیرہ یہ کام بڑی سرگرمی سے انجام دے رہے ہیں۔ اس لئے اصل ضرورت اسکول و کالج اور یونیورسٹیوں کے نصاب میں تبدیلی، ان کے انتظامی معاملات میں دخل اندازی اور ان کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھنے کی ہے، نہ کہ مدارس دینیہ کے نصاب یا نظم و نسق میں دخل اندازی کی۔

دوسری طرف مدارس دینیہ کے ارباب و انتظام اور مسند نشینان درس و افتاء سے بھی ہم عرض کریں گے کہ ان کی اصل پونجی اعتماد علی اللہ ہے۔ اب تک تو کلاً علی اللہ ہی تمام مدارس دینیہ اپنا کام کرتے آئے ہیں اور انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں بھی انہوں نے دینی علوم کی خدمت کا علم سرگلوں نہیں ہونے دیا ہے اور کچھ نہ ہونے کے باوجود اپنے دائروں میں بہت کچھ کیا ہے۔

اس موقع پر جب کہ حکومت ان کی ”امداد“ اور ”سرپرستی“ کے نعرے لگا رہی ہے، بہت تدبیر اور فراست سے کام لینے کی ضرورت ہے اور انہیں تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد ہی حکومت کی امداد و سرپرستی یا اس کی دخل اندازی کے قبول یا عدم قبول کا فیصلہ کرنا چاہئے۔ محض حکومت کی گرانٹ ہی (جس کی جلت بھی مشکوک ہے) ان کے لئے باعث کشش یا دینی مدارس سے فارغ ہونے والے طلباء کے لئے سرکاری اداروں میں ملازمت کی توقع ہی ان کا مرکز توجہ نہ ہو۔ بلکہ اصل چیز ان کی وہ تاریخی حیثیت ہے جس کی رو سے وہ آزادانہ طور پر دین و علم اور ملک و ملت کی خدمات سرانجام دیتے آئے ہیں اور بحمد اللہ اب تک دے رہے ہیں۔ کسی عاجلانہ اقدام یا نافرمانہ خواہش سے اگر وہ اپنے اس تاریخی کردار سے محروم ہو گئے تو یہ بہت بڑا المیہ ہوگا۔

(حافظ صلاح الدین یوسف)

